خدا کی خاطر خدا کی عبادتوں کی توفیق مانگنے کیلئے سب سے عظیم مہینہ رمضان کا مہینہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 /جنوری 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرۃ: 186، 187)

فرمایا:

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے سورۃ البقرہ کی 186 اور 187 آیات ہیں۔ان میں رمضان مبارک کا ذکر ہے اور اس کے مختلف فوائد اس رنگ میں بیان فرمائے گئے ہیں کہ پڑھنے والا بے ساختہ رمضان مبارک کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔آغاز ان آیات کا اس عنوان سے ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے بارے میں قرآن اتارا گیا یا جس میں قرآن اتارا گیا۔اب جس میں قرآن اتارا گیا کا جو پہلا معنی عموماً کیا جاتا ہے اس سے چونکہ بعض دلوں میں سوال اٹھتے ہیں اس لئے بعض لوگوں نے دوسرے معنوں کو

ترجیح دی ہے کہ جس کے بارے میں قرآن اتارا گیا۔ پہلے معنی کی رو سے یہ مطلب بنتا ہے کہ رمضان مبارک ہی میں قرآن اتارا گیا اور وہ لوگ جو جانتے ہیں احادیث کے مطالعہ سے یا سن کر بھی کہ قرآن کریم تو سارا سال اتارا گیا ہے اور ایک رمضان اور دوسرے رمضان کے درمیان آنحضرت ﷺ کی وحی منقطع نہیں ہو جایا کرتی تھی بلکہ ہمیشہ جاری رہتی تھی ان کے لئے یہ دقت ہے کہ ’’رمضان میں اتارا گیا‘‘ کا ترجمہ کیسے کریں۔ چونکہ ایک معنی فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کا یہ بھی بنتا ہے ’’اس کے بارے میں‘‘ تو انہوں نے اس ترجمہ کو ترجیح دی اور اس ترجمہ پر بھی بعض سوال اٹھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم رمضان کے سوا اور مضمون پر بحث نہیں کرتا کیا تمام تر رمضان ہی کی باتیں ہو رہی ہیں۔

اگر ذرا غور سے ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو دونوں بالکل درست ہیں اور اعتراض بے محل ہیں۔ چنانچہ بہت سے وہ علماء جنہوں نے پہلے ترجمہ پر زور دیا فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اس مہینے میں قرآن اتارا گیا وہ یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اول قرآن کا آغاز رمضان المبارک سے ہوا ہے۔ نمبر دو یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ پر جبرائیلؑ اترا کرتے تھے، روزانہ اترتے تھے اور روزانہ اس وقت تک کا قرآن جو نازل ہو چکا تھا اس کی دہرائی کرواتے تھے۔ تو لفظاً یہ ترجمہ بھی درست ہے کہ پورا قرآن اس ایک مہینہ میں اتارا گیا کیونکہ اور کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں اس طرح وہ قرآن کا حصہ جو نازل ہو چکا تھا اس کی دہرائی کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب مکمل ہو گیا تو آخری رمضان میں بلا شبہ پورے کا پورا قرآن ایک ہی مہینہ میں دہرایا گیا اور یہ دُہرانا چونکہ انسانی ذرائع سے نہیں تھا بلکہ جبرائیل علیہ السلام خود اترتے تھے اللہ کے حکم سے اور آنحضرت ﷺ کو قرآن یاد کرواتے تھے، سنتے تھے۔ اب تفصیل تو نہیں آتی کہ جہاں کوئی سہو ہو گئی ہو گی وہاں درستی کرواتے ہوں گے۔ مگر مضمون یہی ہے چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ اپنی زبان کو جلدی حرکت نہ دے ہمارا ذمہ ہے کہ ہم تجھے قرآن یاد کروائیں اور اس کی حفاظت کریں اس لئے تجھے بالکل بے فکر ہو جانا چاہئے نا ممکن ہے کہ تیری یادداشت کی غلطی کے نتیجہ میں قرآن دنیا کے سامنے غلط پیش کیا جائے پھر یہ جو حفاظت فرمائی گئی تھی اس کا یہ بھی ایک طریق تھا۔ اس حفاظت کے وعدے کو اس طرح پورا فرمایا گیا۔ پس اس پہلو سے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تراویح میں بہت سی جگہوں پر سارا قرآن دہرایا جاتا ہے تو غالباً اس کی سند یہیں سے ملتی ہے ورنہ کوئی ایسی سند نہیں کہ ضرور قرآن کریم رمضان مبارک میں تہجد

یا تراویح کی نماز میں دہرایا جائے۔ قرآن خود دہرائی جانے والی کتاب ہے وہ ایک الگ مضمون ہے وہ تو سال میں بارہا دہرایا جاتا ہے مگر رمضان میں دُہرانے کا جو مضمون ہے اس کا تعلق ان احادیث سے ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام خود آپؐ پر نازل ہو کر آپؐ پر پورا قرآن جو اس وقت تک اترا ہوتا تھا پڑھتے تھے یعنی گویا کہ قرآن کریم دوبارہ نازل ہوتا تھا اور آپؐ بھی ساتھ اس قرآن کریم کو جو جبرائیلؑ پڑھ کر سناتے تھے دہراتے جاتے تھے۔ پس ایک معنی تو یہ ہے۔

فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ کا جو دوسرا معنی بیان کیا جاتا ہے اور تفسیر کبیر میں بھی آپ ترجمہ دیکھیں گے تو یہی ملے گا کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نازل کیا گیا تو ''جس کے بارہ میں'' کیوں فرمایا گیا۔ رمضان کے علاوہ بھی تو بہت سی باتیں ہیں اور بہت کثرت سے ہیں جو رمضان نہیں کہلاتیں مگر قرآن کریم ان کے متعلق مضامین کھولتا ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ تمام تر شریعت احکامات اور نواہی جس کثرت کے ساتھ اور جس تکمیل کے ساتھ رمضان میں دہرائے جاتے ہیں یعنی ان پر عمل کیا جاتا ہے اور کروایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک پہلو بھی شریعت کا باقی نہیں رہتا جو رمضان میں نہ ادا ہو۔ اس پہلو سے کوئی اور مہینہ ایسا نہیں کہلا سکتا کہ گویا قرآن کریم اس کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب رمضان کے بارے میں نازل ہوا پڑھتے ہیں تو مراد ہے کہ قرآن کریم نے جتنی بھی انسان سے توقعات کی ہیں، جتنے بھی ارشادات فرمائے ہیں، جتنی باتوں سے روکا ہے یا ناپسند فرمایا ہے ان سب کا اس ایک مہینے سے تعلق موجود ہے۔

پس خدا کی خاطر بھوکے رہ جانا اب یہ بھی ایک عبادت کا مضمون ہے لیکن رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں لازم نہیں ہے۔ خدا کی خاطر کسی سختی کا جواب بھی سختی سے نہ دینا۔ جس کا سختی سے جواب دینے کی قرآن بعض حالات میں اجازت بھی دیتا ہے مگر خدا کی خاطر نیکی کو اس کے اعلیٰ درجے پر پہنچ کر ادا کرنا اور ادنیٰ درجے پر بھی ادا کرنا یہ تمام تر مواقع رمضان میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہ چیزیں جو جائز ہیں ان سے خدا کی خاطر مزید احتراز اور نوافل پر زور یہ روزمرہ کے عام مہینوں میں دیکھنے میں آتا تو ہے مگر شاذ کے طور پر، اس طرح نہیں کہ پوری قوم مسلسل ان باتوں میں ہمہ تن مصروف ہو جائے۔ پس اس پہلو سے کوئی بھی ایسی نیکی نہیں جس کا قرآن میں ذکر ہوا اور رمضان میں خصوصیت کے ساتھ اس کو ادا کرنے کے مواقع نہ ہوں اور کوئی بھی ایسی بدی نہیں ہے جس سے رُکنے کا حکم ہوا اور

رمضان مبارک میں خصوصیت کے ساتھ ان بدیوں سے روکنے کی تلقین نہ فرمائی گئی ہو۔تو گویا اگر رمضان کا مفہوم آپ سمجھ جائیں اور رمضان کو کامیابی سے گزار جائیں تو گویا آپ نے تمام شریعت پر عمل کرلیا، تمام قرآن پر عمل کرلیا اور یہ امر واقعہ ہے اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں ہے۔پس اس پہلو سے وہ ترجمہ بھی بعینہٖ درست ہے کہ گویا قرآن رمضان کے مہینے کے بارے میں اتارا گیا ہے۔

اور جب فرمایا کہ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ تو اس کی تشریح ساتھ ہی فرما دی هُدًى لِّلنَّاسِ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے لیکن ہدایت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ایک عام ہدایت ایک زیادہ روشن اور کھلی کھلی ہدایت۔عام ہدایت تو ہر مہینے میں، روز وشب جاری رہتی ہے۔مگر رمضان میں یہ ہدایت خوب کھل کر سامنے آجاتی ہے۔چنانچہ هُدًى کہنے کے بعد فرمایا هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ صرف اس مہینے میں ہدایت عام ڈگر پر نہیں چلتی بلکہ غیر معمولی طور پر کھل کر اور روشن ہو کر انسان کے سامنے چمک اٹھتی ہے وَالْفُرْقَانِ اور فرقان بن جاتی ہے۔یعنی ایسے دلائل اور ایسے روشن دلائل میں تبدیل ہوتی ہے جو قوی غلبے کی طاقت رکھتے ہیں۔

پس رمضان مبارک کا حق ادا کرتے ہوئے رمضان مبارک سے گزرنا عام روزمرہ کی ہدایت سے بڑھ کر غیر معمولی ہدایت پانا ہے اور مقام فرقان تک پہنچ جانے کے مترادف ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس عظیم عنوان کے بعد یہ جو اس مضمون سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے پھر فرمایا ہے کہ روزے رکھو اور صاف پتا چلتا ہے کہ پہلے ذہن اور قلب کو تیار کیا جارہا ہے، کیا ہونے والا ہے؟ کون سا عظیم مہینہ آرہا ہے؟ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ شهد شهراً سے مراد ہے جو رمضان کو طلوع ہوتا دیکھے۔یعنی رمضان کا چاند جس پر طلوع ہوگا وہ روزے رکھے۔

اب رمضان کا مہینہ اصل میں بیک وقت، ہر جگہ اکٹھا طلوع نہیں ہوتا اور یہ بحثیں عام اٹھ رہی ہیں کہ کیوں نہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب مسلمان بیک وقت روزے رکھیں اور یہ جو جھگڑے چل رہے ہیں آج ان کا رمضان شروع ہو گیا کل ان کا رمضان شروع ہو گیا ان جھگڑوں کا قضیہ ہی چکا دیا جائے مگر قرآن تو نہیں چکاتا۔قرآن کریم نے تو اس مضمون کو کھلا چھوڑا ہوا ہے۔مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی ملک میں رہتے ہو اور اس ملک کے افق

الگ الگ ہوں اور اگر ایک شخص نے مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ کے وقت کو پایا ہو تو اس پر فرض ہے کہ روزے رکھے۔ایک وہ جس نے نہیں پایا اس پر فرض نہیں ہے بلکہ مناسب نہیں ہے کہ رکھے۔اسے انتظار کرنا ہوگا جب تک اس آیت کا اطلاق اس پر نہ ہو۔

تو رمضان بھی بعینہٖ ایک ہی تاریخ کو ہر جگہ شروع نہ ہوتا ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ممالک بدل جائیں تو پھر تو ویسے ہی ناممکن ہے کیونکہ اگر جب بھی رمضان کا چاند طلوع ہوگا اس وقت کسی جگہ گھپ اندھیرا، آدھی رات ہوگی، کسی جگہ صبح کا سورج طلوع ہو رہا ہوگا، کسی جگہ دوپہر ہوگی، کسی جگہ عصر کی نماز پڑھی جا رہی ہوگی تو کیسے ممکن ہے کہ خدا نے جو نظام پیدا فرمایا ہے اس کے برعکس احکام جاری فرمائے۔اس لئے مَنْ شَهِدَ کا مضمون ہے جو بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ہرگز خدا کا یہ منشاء نہیں کہ سب اکٹھے روزے رکھیں، اکٹھے ختم کریں۔ہرگز یہ منشاء نہیں کہ تمام دنیا میں ایک دن عید منائی جائے یا سارے ملک میں اگر وسیع ملک ہے ایک ہی دن عید منائی جائے۔چھوٹے ملک میں تو ممکن ہے مگر وسیع ممالک بعض ایسے ہیں جو شمال سے بہت دور تک جنوب کے ایک حصے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ان کے افق بدل جاتے ہیں یا شرقاً غرباً بہت وسیع ہیں۔اب Chile کو دیکھیں کہ کتنا اوپر سے امریکہ کے وسط سے قریباً شروع ہوکر اور جنوب میں وہاں تک چلا جاتا ہے کہ اس سے آگے کوئی اور ملک نہیں ہے جو قطب جنوبی کے قریب تر ہو اس سے اور روس کی چوڑائی اتنی ہے کہ تین گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے روس کے اندر بلکہ اس سے بھی زیادہ۔امریکہ کی چوڑائی میں وسعت اتنی بڑی ہے کہ وہاں بھی کم و بیش اتنا ہی فرق پڑ جاتا ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایک ملک میں بھی بیک وقت رمضان شروع ہوسکتا ہے یا بیک وقت ایک ملک میں ایک عید کا دن طلوع ہوسکتا ہے۔

پس قرآن کریم کے جو الفاظ کا انتخاب ہے بہت ہی پر حکمت ہے اور اپنے مضمون کو خود کھول رہا ہے۔اب بَيِّنٰتٍ کہہ کر پھر اس مضمون کو کھولنا اور پھر لوگوں کا اس سے غافل ہو جانا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔وہ سمجھتے ہیں مشکوک معاملہ ہے، پتا نہیں کہ قرآن کیا کہنا چاہتا ہے۔قرآن کریم نے تو فرمایا ہے اس میں تو بَيِّنٰتٍ ہیں اس میں الْفُرْقَانِ ہے اس کو پیش نظر رکھو اور پھر غور کرو مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جس پر یہ مہینہ طلوع ہوگا اسی کو روزے رکھنے ہیں۔دیکھا دیکھی سنی سنائی بات پر روزے نہیں رکھنے اور یہاں مَنْ میں صرف ایک فرد واحد مراد نہیں ہے بلکہ وہ قوم ہے جس کا

افق ایک ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کا طریق یہ جاری فرمایا کہ اگر ایک ہی افق کے لوگ کسی موسم کی خرابی کی وجہ سے اکثر نہ دیکھ سکتے ہوں تو ان میں دو قابل اعتماد یا چار قابل اعتماد، کچھ قابل اعتماد لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور وہ کہیں، گواہی دیں کہ ہم نے دیکھا ہے تو اگر افق مشترک ہے تو سب کا ہی رمضان شروع ہو جائے گا اور اگر افق مشترک ہے تو سب ہی کی عید ہو جائے گی۔

تو مَنْ کا لفظ واحد پر بھی آتا ہے اور جمع پر بھی، یہ مراد نہیں ہے کہ ہر ایک جب تک آنکھ سے دیکھ نہ لے رمضان شروع نہ کرے۔ یہ تو ناممکن ہے۔ جو ہلال ہے خصوصاً پہلے دن کا ہلال وہ تو آنی جانی چیز ہے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتا ہے۔ انگلیاں اٹھ رہی ہوتی ہیں اتنے میں وہ مطلع سے غائب ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہلال کا مطلع بھی چھوٹا ہوتا ہے اس لئے مَنْ شَهِدَ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم میں سے جو اپنی آنکھوں سے دیکھے صرف وہی شخص روزے رکھے۔ مراد ہے وہ لوگ جن کا افق ایک ہے، جن کے ہمیشہ سے ہی چاند اکٹھے طلوع ہوتے ہیں، جب طلوع ہوتے ہیں سب پر ہی طلوع ہوتے ہیں جب غروب ہوتے ہیں تو سب پر ہی غروب ہوتے ہیں، پس وہ لوگ جن کا افق مشترک ہو ان میں سے کوئی بھی دیکھے تو سب قوم کے دیکھنے کا حکم ان پر صادق آجائے گا گویا ساری قوم نے دیکھ لیا۔ پس اس پہلو سے مثلاً انگلستان میں غالباً ایک ہی افق ہے خواہ شمال سے جنوب تک جائیں، چاند کے تعلق میں دو افق میرے علم میں نہیں ہیں۔ امریکہ میں بعض دفعہ دو افق پیدا ہو جاتے ہیں بعض علاقوں کے لحاظ سے مگر اکثر ایک ہی ہے اور بعض دفعہ امریکہ کا افق عرب کے افق سے مل جاتا ہے۔ چاند کا جو Behaviour ہے، چاند کا جو طرز عمل ہے یہ عام روزمرہ کے سورج کے طرز عمل سے بالکل مختلف ہے۔ سورج کے طلوع ہونے میں ایک قطعیت ہے اور سورج کے غروب ہونے میں بھی ایک قطعیت ہے۔ چاند کے اندر احتمالات اور امکانات ہیں۔ اس لئے مَنْ شَهِدَ کا جو ارشاد فرمایا گیا ہے انہی بدلتے ہوئے امکانات اور احتمالات کے پیش نظر ہے۔

اب اس مضمون میں ایک پہلو رہ جاتا ہے جس کی عموماً آپ بحثیں سنتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں وہ یہ ہے کہ کیا مشینی ذرائع سے چاند کا علم پانا مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ کے تابع ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اگر ہو تو پھر دیکھنا متروک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشینوں کے ذریعہ چاند دکھائی دے جاتا ہو لیکن نظر سے نہ دکھائی دیتا ہو۔ تو کیا قرآن کریم کا پہلا عمل یعنی پہلے دور کا عمل اس مشینی عمل کے مقابل پر رد

ہو جائے گا یا پہلے دور کا عمل جاری رہے گا اور مشینی دور کا عمل متروک سمجھا جائے گا؟ یہ بحث ہے جو بہت سے لوگوں کو الجھن میں مبتلا رکھتی ہے حالانکہ اس میں ایک ادنیٰ ذرہ برابر بھی کوئی الجھن نہیں۔ الجھن لوگوں کی نافہمی اور ناسمجھی میں ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ نئے دور میں مشینوں کے حوالے سے یا برقیاتی آلوں کے حوالے سے اگر آپ چاند کے طلوع کا علم حاصل کریں تو وہ مَنۡ شَھِدَ کے تابع رہتا ہے اور جہاں مَنۡ شَھِدَ سے ہٹتا ہے وہاں اس کا عمل درآمد نہیں ہوگا، وہاں بے اعتبار ہو جائے گا۔ جو لوگ نہیں سمجھتے وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور پھر آپس میں خوب لڑائیاں ان کی ہوتی ہیں۔

اس لئے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں آگے عید بھی آئے گی، یہ بحثیں چلیں گی، بچوں سے سکول میں بھی گفتگو ہوگی دوسرے بچوں کی، کالجوں میں یہ معاملہ زیر بحث آجائے گا، بزنس پر، کاموں پر زیر بحث آئے گا۔ اس لئے سب احمدیوں کو اچھی طرح ہر ملک کے احمدی جو یہ خطبہ سن رہے ہیں ان کو اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

چاند جو طلوع ہوتا ہے وہ جب زمین کے کنارے سے اوپر آتا ہے تو اگرچہ سائنسی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمین کے افق سے چاند ذرا سا اوپر آچکا ہے لیکن وہ چاند لازم نہیں کہ نظر سے دیکھا جا سکتا ہو۔ اس لئے سائنس دانوں نے بھی ان چیزوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اگر آپ اچھی طرح ان سے جستجو کر کے بات پوچھیں تو وہ آپ کو بالکل صحیح جواب دیں گے کہ دیکھو ہم یہ تو یقینی طور پر معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ چاند کس دن کتنے بجے طلوع ہوگا، یعنی سورج غروب ہوتے ہی اوپر ہو چکا ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھو کہ اگر موسم بالکل صاف ہو اور کوئی بھی رستے میں دھند نہ ہو تب بھی تم اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو کیونکہ چاند کو طلوع ہونے کے بیس منٹ یا کچھ اوپر مزید چاہئے اور ایک خاص زاویئے سے اوپر ہونا چاہئے۔ اگر وہاں تک پہنچے تو پھر آنکھ دیکھ سکتی ہے ورنہ نہیں دیکھ سکتی۔ اس لئے ہوسکتا ہے جیسا کہ پچھلے سال مولویوں نے یہاں یہ کیا کہ آبزرویٹری Observatory سے یہ تو پوچھ لیا کہ چاند کب نکلے گا اور انہوں نے وہی سائنسی جواب دے دیا کہ فلاں دن یہ اتنے بجے طلوع ہو جائے گا اور سورج ڈوبنے کے معاً بعد کا وقت تھا۔ تو مولویوں نے فتویٰ دے دیا کہ اس دن شروع ہو جائے گا رمضان یا عید جو بھی تھی اور بعض دوسرے جو ان میں سے سمجھدار تھے، تعلیم یافتہ مسلمان یہاں موجود ہیں احمدی نہیں ہیں مگر وہ ان باتوں پر غور کرتے ہیں انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم تو ایسی

عیدنہیں کریں گے یا ایسا رمضان شروع نہیں کریں گے اور وہ سچے تھے کیونکہ اگر وہ مولوی صاحبان ان لیبارٹریز سے یا جو ان کے مراکز ہیں آسمانی سیاروں وغیرہ کو دیکھنے کے ان سے پوچھتے تو وہ صاف بتادیتے کہ نکلے گا تو سہی لیکن تم اس کی شہادت نہیں دے سکتے، تم اپنی آنکھ سے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے کیونکہ جتنا نکل کے وہ اونچا جاتا ہے اس طلوع سے کوئی آنکھ بھی اس کو اس لئے نہیں دیکھ سکتی کہ وہ زمین کے بہت قریب ہوتا ہے اور زمین کے قریب کی فضا اس کی شعاعوں کو نظروں تک پہنچنے سے پہلے پہلے جذب کر چکی ہوتی ہے۔اس لئے عین نشانے پر پتا ہو کہ وہاں چاند طلوع ہو رہا ہے آپ نظر جما کے دیکھیں آپ کو ایک ذرہ بھی کچھ دکھائی نہیں دے گا تو شَہِدَ کا مضمون اس پر صادق نہیں آئے گا۔

شَہِدَ کا مطلب ہے جو گواہ بن جائے، جو دیکھ لے، جو پالے۔مگر سائنس دان ہی یہ بھی آپ کو بتاتے ہیں اور قطعیت سے بتاتے ہیں کہ اگر اتنے منٹ سے اوپر چاند ہو چکا ہو یعنی سورج ڈوبنے کے بعد مثلاً پندرہ منٹ کی بجائے بیس منٹ تک رہے تو پہلے پندرہ منٹ میں اگر دکھائی نہیں دے سکتا تو آخری پانچ منٹ میں دکھائی دے سکتا ہے یا اس کا زاویہ اتنا ہو کہ وہ زمین کے ایسے افق سے اونچا ہو چکا ہو جو افق چاند اور ہماری راہ میں حائل رہتا ہے، اس سے جب اونچا ہوگا تو لازماً دیکھ سکتے ہو۔پھر بادل ہوں تو الگ مسئلہ ہے لیکن اگر بادل نہ ہوں تو لازماً ننگی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو پھر شَہِدَ مِنۡکُمُ کا حکم صادق آ گیا کیونکہ شَہِدَ میں ساری قوم کا دیکھنا تو فرض تھا ہی نہیں ۔ کچھ بھی دیکھ سکتے ہوں لیکن اس طرح دیکھ سکتے ہوں جیسے انسان کی توفیق ہے کہ ننگی آنکھ سے دیکھ سکے وہ فتویٰ لازماً ساری قوم پر برابر صادق آئے گا اور وہ لوگ جن کا افق ایک ہے وہ سائنسی ذرائع سے معلوم کر کے پہلے سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔

تو اس لئے وہ جھگڑے کہ اب اکٹھی کیسے عید کی جائے یا اکٹھا رمضان کیسے شروع کیا جائے یہ جھگڑے تو اس دور میں ختم ہو چکے ہیں اور اگر ہیں تو ان لوگوں نے پیدا کئے ہیں جو بے وجہ ناسمجھی سے اختلاف کرتے ہیں۔پس یہ جو نظارے یہاں دکھائی دیتے ہیں کہ ایک ہی ملک میں ایک عید آج ہو رہی ہے ایک کل ہو رہی ہے ایک پرسوں ہوگی یہ قرآن کریم کے بیان کا ابہام ہرگز نہیں ہے۔قرآن کریم کا بیان بَیِّنٰتٍ میں سے ہے، صاف کھلا کھلا ہے۔اگر اس پر چلیں تو ناممکن ہے کہ یہ اختلاف ہوں۔یا ننگی آنکھ سے چاند نظر آئے گا یا آلات کے ذریعہ آئے گا اور دونوں ایک دوسرے پر بالکل

چسپاں ہوں گے اور ان کے درمیان کوئی بھی اختلاف نہیں ہوگا۔ سائنسی فتویٰ بعینہ وہی ہوگا جن شرائط کے ساتھ میں بیان کررہا ہوں جو ننگی آنکھ کے دیکھنے کا فتوی ہے۔ تو اس لئے یہ دور ایسا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین کو خدا نے خود ہی بندوں کے لئے مسخر فرما رکھا ہے اور نئی نئی باتیں جو ہمارے علم میں آرہی ہیں ان کو خدمتِ دین میں استعمال کرنا چاہئے۔

پس جماعت احمدیہ کی طرف سے جو کیلنڈر شائع ہوتے ہیں اور ابھی بھی یہاں ہو چکے ہیں یا ہر ملک میں ہوتے ہیں ان کی گواہی قطعی ہے کیونکہ ہم کبھی بھی ایسی گواہی کو قبول نہیں کرتے جہاں ننگی آنکھ سے چاند کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔ جہاں یقینی ہو کہ اگر موسم صاف ہے تو چاند ضرور دکھائی دے گا وہاں قبول کیا جاتا ہے اور مہینوں کے جو دوسرے دن ہیں یا اس کا شروع اور آغاز، دوسرے مہینوں سے تعلقات وہ ہمیشہ ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ اگر غلطی ہو تو بعض دفعہ عجیب سی غلطی بن جاتی ہے۔ بعض مہینے اس کے اٹھائیس دن کے رہ جاتے ہیں اور اٹھائیس دن کا مہینہ ہو ہی نہیں سکتا چاند کا۔ یہ کوئی فروری تو نہیں ہے جو اٹھائیس دن کا آئے۔ چاند کا تو ہر مہینہ یا انتیس کا ہوگا یا تیس کا ہوگا۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کا جو فیصلہ ہے وہ قطعی اور درست ہے اور قرآن کے عین مطابق ہے۔ پس وہ دن اب طلوع ہونے والا ہے یعنی رمضان کا دن جو انشاءاللہ تعالیٰ اتوار کی شام کو طلوع ہوگا اور پیر کا پہلا روزہ ہوگا۔

اب ایک بحث یہ ہے کہ رمضان کو سورج سے کیوں نہیں باندھا؟ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ہر ملک کا موسم الگ الگ ہے۔ بعض ممالک ایسے ہیں جن میں سردیوں میں دن بالکل چھوٹے رہ جاتے ہیں اور گرمیوں میں بے انتہا لمبے ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جہاں شدید گرمی ہے اور دن برابر ہیں۔ بعض ایسے ہیں جہاں شدید گرمی ہے اور پھر دن برابر نہیں ہیں۔ تو اگر ایک ہی سورج کے حساب سے مہینہ مقرر کر دیا جاتا تو وہ مہینہ ہر جگہ ایک ہی طرح ایک ہی موسم میں رہتا، کبھی اس میں تبدیلی نہ ہوتی۔ ناروے کے لوگوں کے لئے مثلاً اگر وہ مہینہ سردیوں میں ہوتا تو ناروے کے لوگوں کے لئے ادھر روزہ رکھا ادھر کھولنے کا وقت آگیا اور جو جنوبی قطب کے پاس رہتے ہیں ان کا روزہ ختم ہی نہ ہوتا۔ جو زیادہ قریب ہیں وہ تو سال بھر روزہ چلتا لیکن جو ذرا مناسب فاصلے پر ہیں ان کا بھی ہو سکتا ہے 23 گھنٹے کا روزہ ہو۔ ایک گھنٹے کے اندر نمازیں بھی پڑھنی ہیں، تہجدیں بھی پڑھنی ہیں، کھانا بھی کھانا ہے اور پھر 23 گھنٹے کے روزے کے لئے تیاری کرنی ہے۔ اول تو جو 23 گھنٹے

والا واقعہ ہے وہ احادیث کے مضمون کی روشنی میں حقیقت میں ممکن ہی نہیں ہے یہ بھی میں آپ کو اچھی طرح سمجھا دوں۔ اس لئے یہ قرآن کریم نے جو فرمایا ہے علامتیں جاری فرمائی ہیں وہ دو طرح سے۔ ایک علامتیں وہ ہیں جن کا تعلق چاند سے ہے، ایک علامتیں وہ ہیں جن کا تعلق سورج سے ہے۔ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں عبادتیں دونوں طرح اکٹھی ہوگئی ہیں۔ کسی اور مہینے میں اس طرح عبادتیں اکٹھی نہیں ہوئیں جس طرح رمضان کے مہینے میں عبادتیں ہر پہلو سے جڑی ہیں۔ یہی سورج کے سال کا بھی تعلق ہے اور چاند کے سال کا بھی تعلق ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کی عبادات کا تعلق ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ روزانہ نمازیں بھی تو مغرب کے بعد آتی ہیں۔ آتی تو ہیں مگر وہ سورج کے حوالے سے آتی ہیں چاند کے حوالے سے نہیں۔ پانچ نمازیں جو فرض ہیں اور تہجد کے وقت یہ سارے کے سارے سورج کی علامتوں سے تعلق رکھے ہوئے ہیں۔ چاند کے تعلق سے جو عبادت آتی ہے وہ صرف رمضان کی ہے۔ یا پھر حج ہے جو چاند سے تعلق رکھتا ہے مگر اس کے علاوہ تمام عبادتیں سورج سے تعلق رکھتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورج کے ساتھ نمازوں کو باندھ کر یہ بات ناممکن بنادی ہے کہ ایک انسان علامتوں کے مطابق ایسی جگہ پانچ نمازیں ادا کر سکے جو شمالی قطب یا جنوبی قطب کے بہت قریب ہو اور یہ ناممکن بنا کر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع فرمادی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے، دجال کا زمانہ جب کہ دن دنیا میں بعض جگہ روزمرہ کے چوبیس گھنٹے کے دن ہوں گے اکثر جگہ تو یہی ہوگا لیکن بعض ایسی جگہیں بھی ہوں گی جہاں لمبے بھی ہوں کہیں چھ مہینے کا دن بھی ہوگا کہیں سال کا دن بھی ہوگا۔ یہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مطلع فرمایا تا کہ آئندہ زمانے کے انسان کے لئے مشکل نہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی صحابہؓ میں سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا جب ایک سال کا دن آئے گا تو ہم اس ایک سال میں پانچ نمازیں پڑھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا بالکل نہیں اندازہ لگا کر اپنے ویسے ہی دن تقسیم کرنا جیسے روزمرہ کے معمول کے دن ہیں اور جب وہ دن گزرے تو اس کے مطابق اپنی پانچ نمازیں پوری کیا کرنا۔

تو جہاں سورج کی ظاہری علامتیں قاصر رہ جائیں کہ وہ ایک دن کے خدوخال کو نمایاں کر سکیں، جہاں سورج کی ظاہری علامتیں عاجز آجائیں کہ دن کو چوبیس (24) گھنٹے کے اندر باندھے رکھیں وہاں نمازوں کے احکامات بدل گئے، وہاں اندازے شروع ہوگئے اور اندازوں کی شریعت نے

اجازت دی اور اس میں حکمت ظاہر و باہر ہے۔اول تو یہ کہ لمبے روزے میں تو سارے ہی شہید ہو جاتے ایک ہی روزے میں اور چھوٹے روزے کا پتا ہی نہ لگتا کہ کیسے رکھیں وہ ایک تماشا سا بن جاتا مگر جہاں بھی یہ اجنبی دن چڑھتے ہیں خواہ وہ ایک دن کے چوبیس (24) گھنٹے کے دائرے میں بھی رہیں تو قرآن کریم کا کمال یہ ہے عبادت کی علامتیں ایسی بتائی ہیں کہ وہاں علامتیں عبادت کو ان دنوں کے اندر ساکت کر دیتی ہیں اور اندازہ شروع ہو جاتا ہے۔یعنی غیر معمولی دن کیلئے ضروری نہیں کہ چوبیس گھنٹے سے لمبا ہو۔چوبیس گھنٹے سے قریب دن پہنچا ہوا ہو تب بھی وہ ناممکن دن بن جائے گا اور جہاں وہ ناممکن دن بنے گا وہیں سے اندازہ شروع ہو جائے گا۔

اس کی مثال میں آپ کو سمجھا دوں کیونکہ ناروے سے بھی مجھے سوال آئے ہوئے ہیں بعض دوسرے ملکوں سے بھی اس لئے میں اس خطبے میں ساری باتیں کھول رہا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے اکثر احمدی جہاں جہاں بھی اب یہ آج کل ٹیلی ویژن پہنچ رہی ہے، یہ خطبہ سنتے ہیں، سن رہے ہیں، بات یہ ہے کہ اگر دن فرض کریں اٹھارہ گھنٹے کا ہو یعنی سورج نکلنے سے (روزے کی بات نہیں کر رہا) دن سورج نکلنے سے سورج غروب ہونے تک اٹھارہ گھنٹے ہوں تو پیچھے چھ گھنٹے کی جو رات رہ جائے گی اس رات میں صبح اور شام کی شفق اتنی پھیل چکی ہوں گی کہ ان کے درمیان سیاہی آئے گی ہی نہیں۔پس جب سیاہی غائب ہوگئی تو نمازوں کی تقسیم ممکن نہ رہی۔مغرب کس وقت پڑھیں گے، عشاء کس وقت پڑھیں گے، تہجد کس وقت ہوگی، صبح کس وقت طلوع ہوگی یہ ایک ہی چیز ہو جاتی ہے۔چنانچہ ہم نے خود یہ ایسے دن دیکھے ہیں جب ہم گرمیوں میں ایک دو سال پہلے ناروے گئے تھے شمال کی طرف تو جہاں چوبیس گھنٹے کا دن شروع ہو چکا تھا وہاں تو بالکل ہی معاملہ اور ہے۔وہاں تو صبح بھی سورج، دوپہر کو بھی، رات کو بھی، آدھی رات کو بھی اور سورج نکلے ہوئے میں تہجد پڑھنی پڑتی تھی مگر اندازے کر کے کیونکہ آنحضرت ﷺ **اصدق الصادقین** ہیں، سب سچوں سے بڑھ کر سچے اور یہ ایک بات بھی آپؐ کی سچائی پر سورج سے بڑھ کر زیادہ روشن گواہ بن جاتی ہے۔اس اندھیرے زمانے میں اتنی روشنی سے چودہ سو سال بعد کے حالات معلوم کئے اور ان پر روشنی ڈالی۔اتنی دور تک روشنی ڈالنے والا نبی اس شان کا کوئی دکھاؤ تو سہی۔فرمایا وہ ہوں گے جب بھی وہ دن عام عادت سے بدل چکے ہوں۔آپؐ نے فرمایا ہے روزمرہ کے عادی دنوں کے مطابق اندازے کرنا۔عادی دن وہ ہیں جن میں

پانچ نمازیں سورج کی علامتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز کی جاسکتی ہیں۔ جہاں وہ نمازیں ممتاز نہیں ہوسکتیں وہاں اندازہ شروع اور پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

تو اس لئے یہ قرآن کریم کا کمال ہے کہ رمضان مبارک کو چاند کے ساتھ جو باندھا ہے اب میں اس طرف واپس آرہا ہوں، اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ مہینہ جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی یہ جنوب والے لوگوں کے لئے آسان ہو جاتا ہے، کبھی شمال والوں کے لئے۔ پس ایسے موقع پر اگر یہ سورج والا مہینہ ہوتا تو بعض لوگوں پر ہمیشہ بہت ہی سخت رہتا۔ لمبے سے لمبا دن اور پُر آزار دن جس میں گرمی سے لوگوں کی زبانیں سوکھ جاتیں اور تڑپ تڑپ کے بعض جان دے دیتے۔ ہمیشہ مسلسل ایسی ہی تکلیف لے کر ان کے لئے آتا اور بعض جگہ اتنا چھوٹا ہوتا اور موسم بھی ٹھنڈا کہ ان کو پتا ہی نہیں لگتا بلکہ ان کے لئے یہ مصیبت ہوتی کہ کھائیں کیسے۔ ایک روزہ افطار بھی کریں اور سحر بھی کریں، بیچ میں تہجد بھی پڑھیں، چند گھنٹوں کے اندر یہ ممکن نہیں ہے۔ پس کتنے گھنٹے کے لئے ممکن ہے اس کی علامتیں ساتھ بیان فرمادی گئیں کہ جہاں سورج کی علامتوں سے عبادتیں کھل کے واضح ہوں، جہاں رمضان پر یہ بات صادق آئے کہ سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز ہو سکے وہ دن معمول کے دن ہیں۔ جہاں ان میں کوئی علامت اطلاق نہ پائے وہاں تم نے اندازے کرنے ہیں۔ مگر معمول کے دنوں میں بھی تو بہت فرق ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران: 141) کا مضمون رمضان سے بھی باندھ دیا اور رمضان چکر کھاتا رہتا ہے۔ کبھی سخت روزے آتے ہیں اور وہ اپنا سبق سکھا کے چلے جاتے ہیں کہیں نرم روزے آتے ہیں تو راتوں کی جفاکشی بڑھ جاتی ہے۔ پس کبھی دن کی سختی کے مزے ہیں کبھی رات کی لمبائی کے مزے ہیں۔ کبھی ایک ابتلاء ہے کبھی دوسرا۔ کبھی ایک انعام ہے کہیں دوسرا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان ایام کو آپس میں پھیر رکھا ہے۔

پس رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں سورج اور چاند دونوں اکٹھے عبادتوں پر گواہ بنتے ہیں ۔ ورنہ سارا سال سورج تو بنا رہتا ہے چاند گواہ نہیں بنتا۔ تو فِيهِ الْقُرْاٰنُ میں ایک یہ بھی مضمون ہے کہ کوئی چیز رمضان میں باقی ہی نہیں رہی جس کا بیان نہ ہوا ہو قرآن کریم میں۔ قرآن میں چاند والی عبادتوں کا بھی ذکر ہے، سورج والی عبادتوں کا بھی ذکر ہے، رمضان میں یہ بھی دونوں اکٹھی ہوگئیں۔

پس رمضان کے مہینے کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھیں جہاں ظاہری علامتوں کا تعطل ہو گیا ہے وہاں آپ پر فرض ہے کہ روزمرہ کے معمول کے دنوں کا اندازہ کریں۔ معمول کے دن قرآن کی تعریف سے یہ بنیں گے کہ جن دنوں میں صبح کی سفیدی اور شام کی شفق کے درمیان میں ایک اندھیرا حائل ہو، تاکہ قرآن کریم کی یہ بات پوری اتر سکے کہ سفید دھاگہ کالے دھاگے سے الگ ہو جائے اور اگر دونوں دھاگے ہی سفید ہوں تو پھر الگ کیسے ہوں گے۔ اس لئے تمام جماعتوں میں علماء کے ایسے بورڈ بنانے چاہئیں، ان تمام جماعتوں میں جو یا جنوب کے زیادہ قریب ہیں یا شمال کے زیادہ قریب ہیں تا کہ اپنی اپنی جماعتوں کی راہنمائی کر سکیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی ملک میں بعض دفعہ ایک رمضان ایک جگہ غیر معمولی ہو جاتا ہے، دوسری جگہ معمولی رہتا ہے اور جتنا شمال کی طرف یا جنوب کی طرف جائیں گے اتنا ہی ایک ملک کے اندر رہتے ہوئے بھی تفریق کرنا پڑتی ہے۔ پس بجائے اس کے کہ آپ ہر بات مرکز سے لکھ کر ہم سے حساب کروائیں، اصول سمجھ لیں اور پھر جو آپ کے ہاں مختلف گورنمنٹ کے محکمے ہیں موسمیات کے ان سے مشورہ کریں۔ آبزرویٹری Observatory جو بھی ہے جو بھی ان کی رصدگاہیں بنی ہوئی ہیں جہاں سے وہ زمین و آسمان کا مطالعہ کرتے ہیں یعنی موسمیات کے دفتر اور ان کے محکمے ان سے مشورہ کر کے تو مختلف جماعتوں کے لئے رمضان سے پہلے ہی ان کے شیڈول Schedule بنانے چاہئیں اور بتانا چاہئے کہ فلاں جماعت کا معمول کا رمضان فلاں دن سے فلاں دن تک ہے اور فلاں سے فلاں دن تک کا جو رمضان کا حصہ ہے وہ معمول سے نکل گیا ہے اس لئے وہاں آپ کو قرآن کریم اختیار دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ یعنی آنحضرت ﷺ نے جو قرآن کا مفہوم سمجھا اور وہی درست ہے وہ آپ کو اختیار دیتا ہے کہ اندازے کے مطابق اپنی نمازوں کو بھی تقسیم کریں اور روزوں کے وقت بھی مقرر کریں۔

اور ایسی صورت میں دو طریق ہیں دونوں میں سے ایک آپ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ معمول کے دن کے روزوں سے مراد بارہ گھنٹے کا دن، بارہ گھنٹے کی رات لے لی جائے جو سطحی ہے لیکن اگر یوں کریں گے تو ان دنوں کا اس ملک کے باقی دنوں سے بہت زیادہ فرق ہو جائے گا اور جہاں بھی معمول کے دنوں کا غیر معمولی دنوں سے جوڑ ہو گا وہاں تفریق بہت بڑی ہو جائے گی۔ اس لئے دوسرا جو طریق ہے جو میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے وہ یہ ہے کہ اپنے سے قریب تر معمول

کے دنوں کے مطابق عمل کریں۔یعنی اگر ساٹھ (60) یا ستر (70) ڈگری شمال پر ایک ملک کا کوئی شہر آباد ہے اور اس ملک کا ایک حصہ پچاس (50) ڈگری یا چالیس (40) ڈگری شمال پر بھی ہے اگر ایک سال میں جو جنوبی حصہ ہے اس کا سارا رمضان معمول کا رمضان ہے یعنی سورج کی علامتیں اور چاند کی علامتیں پوری اس پر صادق آرہی ہیں اور شمالی حصے پر صادق نہیں آرہیں تو بجائے اس کے کہ وہ چھلانگ لگا کر خط استواء تک پہنچے اور وہاں کا معمول پکڑے، عقل تقاضا کرتی ہے کہ اپنے ہی ملک میں جو قریب تر جگہ ہے جہاں معمول کے روزے چل رہے ہیں ان کے اندازے کے مطابق اپنے روزوں کے اندازے کر لیا کریں۔تہجد کا وقت بھی اس کے مطابق کرے اور سحری کا وقت بھی اور افطاری کا وقت بھی اور اس طریق پر انشاءاللہ تمام جماعت اسلامی کو وقت کے اختلاف کے باوجود بھی ایک وحدت ضرور نصیب ہوگی اور وحدت کے مختلف رنگ ہیں۔ایک وحدت یہ ہے کہ ایک ہی اصول کے مطابق سب چلیں، نئے اصول اپنی اپنی جگہ الگ نہ گھڑیں۔قرآن کریم نے جو اصول بنایا ہے وہ بڑا واضح اور قطعی ہے جو میں آپ کے سامنے کھول چکا ہوں۔آنحضرت ﷺ نے جو اس کا مطلب سمجھا اور دنیا پر خوب کھول دیا اس کے بعد آپ اس اصول پر عمل کریں پھر خواہ کسی کا رمضان کسی اور دن شروع ہو اور کسی کا اور دن شروع ہو وحدت میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ وحدت توحید کی اطاعت سے وابستہ ہے انسانی گھڑیوں کے حساب سے وحدت نہیں بنائی جاسکتی۔اتنا فرق پڑ جاتا ہے زمین کے دور کی وجہ سے کہ ایک دن یہاں آج جمعہ ہے تو ایک ایسی جگہ ہے جہاں جمعرات ہے اور اسی وقت ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہفتہ طلوع ہو چکا ہے تو زبردستی وحدت کیسے آپ بنائیں گے۔توحید کے خلاف چل کر وحدت بنائی جاسکتی ہے؟ جس خدا نے پیدا کیا ہے اس کی غلامی میں وحدت بنے گی اس سے ہٹ کر نہیں بن سکتی۔پس اس کے قوانین کو سمجھنا اور ان پر ایک اصول کے مطابق تمام دنیا میں یکساں عمل کرنا پھر اگر وقت تبدیل بھی ہوں تو وحدت نہیں ٹوٹ سکتی کیونکہ اللہ کے احکام کے تابع آپ منسلک رہیں گے، ایک لڑی میں منسلک رہیں گے کوئی آپ کو الگ نہیں کر سکتا۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ آج کے بعد اس بارہ میں مجھے مزید خط موصول نہیں ہوں گے ورنہ سارا رمضان کافی ڈاک پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ہر آدمی اپنی جگہ سے پوچھتا ہے کہ بتاؤ ہم یہاں کیا کریں، ہم وہاں کیا کریں، تمام ممالک اس خطبہ کی روشنی میں کمیٹیاں بنائیں اور وہ سب کی راہنمائی

کریں اور جو اصول میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں وہ بالکل کھل چکے ہیں، مجھے نہیں سمجھ آسکتی کہ اس کے بعد پھر بھی کوئی ابہام باقی رہے۔

اب اگلا حصہ ہے وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پس جو کوئی بھی مریض ہو یا سفر پر ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ تو اسے دوسرے ایام میں اس عدت کو پورا کرنا ہوگا یعنی مریض ہو تو روزہ نہ رکھے۔ سفر کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر سفر مشکل ہو تو روزہ نہ رکھے، سفر آسان ہو تو رکھ لے۔ اس لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس آیت کی رو سے یہ واضح فتویٰ تھا کہ روزے کی آسانی یا مشکل زیر بحث نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت ہی میں آسانی ہے اور اسی میں نیکی، اسی میں تقویٰ ہے۔ پس جب رمضان میں سفر آئے تو روزہ نہ رکھو اور جب رمضان گزر جائے تو جتنے روزے چھٹ گئے ہیں فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پھر دوسرے دنوں میں اس مدت کو پورا کر لیا کرو۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں یہ نیکی ہے کہ سفر میں بھی روزہ رکھ لیا جائے اور یہ زیادہ بہتر ہے حالانکہ بالکل غلط بات ہے۔ تمام روزہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں روزے آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ سارے ہی رکھ رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے نفس کا بہانہ ہوتا ہے کہ میں نیکی کر کے سفر میں روزے رکھ رہا ہوں۔ نفس بعض دفعہ دھوکہ دیتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سفر کے دوران رمضان میں روزے رکھ لئے جائیں تو وہ آسان ہیں۔ رمضان گزرنے کے بعد پھر وہ روزے پورے کئے جائیں تو یہ مشکل ہے۔ تو وہ اپنی طرف سے نیکی کر رہا ہوتا ہے، حالانکہ نفس کے بہانے کے تابع وہ خود دھوکہ کھا رہا ہوتا ہے۔ نیکی تنگی یا مشکل میں نہیں ہے۔ نیکی اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہے۔ جس بات کا اللہ حکم دے اسے قبول کرو جس کی وہ اجازت دے شوق سے اس اجازت کو استعمال کرو اور یہی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ بعض دفعہ کسی کو آپ کوئی چیز دیتے ہیں بعض بچے آتے ہیں کہ نہیں نہیں رہنے دیں، کوئی ضرورت نہیں، میں نے دیکھا ہے ماں باپ کی لگتا ہے جان نکل گئی ہے، فکر سے وہ ڈانٹتے ہیں، ضرورت نہیں کیا مطلب لے لو تمہیں خدا نے توفیق دی ہے تمہیں کچھ انعام دیا جا رہا ہے اسے ضائع مت کرو اور یہ انسانی فطرت کی آواز ہے کیونکہ وہ جو تکلف ہے جب کوئی دینے والا ایسا ہو جس سے تمہیں پیار ہو یا جس کے لئے تمہارے دل میں عزت ہو اس کا کچھ عطا کرنا اگر تم قبول کرو تو اس کے لئے خوشی کا موجب ہوتا ہے اگر نہ قبول کرو تو اس کے چہرے پر ملال کے آثار

آجاتے ہیں، اس کا دل چاہتا ہے میں دے رہا ہوں لے لے، اس کو بھی مزہ آئے مجھے بھی مزہ آئے۔

تو انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی فطرت کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔اس کا ایک یہ بھی معنی ہے اگر فطرت سچی اور پاک ہو تو اس کو دیکھ کر خدا کے منشاء کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔پس جہاں اللہ تعالیٰ رعایت دے رہا ہے وہاں نہیں نہیں جی ہم تو سختی کر سکتے ہیں، کوئی بات نہیں یہ بہت بے وقوفی کی بات ہے اس رعایت کو پیار اور محبت سے سر جھکا کر عشق کے جذبے سے قبول کرو۔پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو چھ چھ مہینے کے مسلسل روزے رکھے ہیں اور ایسے روزے رکھے ہیں جن میں صبح اور شام کی خوراک اتنی کم ہو چکی تھی کہ ایک عام انسان اس پر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کے باوجود عبادت کی سختیاں، تو اس کا فتویٰ ہے یہ، جس کی اپنی عبادتوں کا یہ حال تھا جس کا مطلب ہے کہ لازماً سراسر ایک عشق کے اعلیٰ مقام کا فتویٰ ہے۔ایک ایسے عارفانہ مقام کا فتویٰ ہے جو جانتا ہے کہ نیکی صرف رضا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جسم کی سختی کے ساتھ نہیں اور روزوں میں بھی جسمانی سختی خدا تعالیٰ کے پیش نظر ہے ہی نہیں اور بہت سی باتیں جو پیش نظر ہیں مگر تکلیف دینا خدا کے پیش نظر نہیں ہے۔پس جب خدا فرماتا ہے کہ چھوڑ دو تو چھوڑ دو جب خدا کہتا ہے رکھو تو رکھو۔

پس فرمایا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا جو بیمار ہو اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر پر ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ تو پھر رمضان میں روزے نہ رکھنا بعد میں رکھ لینا۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ سختی کرو گے تو خدا بہت خوش ہوگا۔اپنی جان کو مصیبت میں ڈالا ہوا ہے تو اللہ بڑا راضی ہو گیا تم مصیبت میں پڑ گئے۔اللہ تو تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا اور کوئی دوست کسی دوست کے لئے سختی نہیں چاہتا۔کوئی ماں کسی بچے کے لئے سختی نہیں چاہتی۔پس یہ مفہوم بھی ہے جو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کے باوجود ماں صبح جلدی بچے کو اٹھا کر تیاری کرواتی ہے، سکول بھجوانے کے لئے، روتا پیٹتا بھی رہے تب بھی اس کو زبردستی ٹھیک ٹھاک کر کے سکول بھیج دیتی ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ماں سختی چاہتی ہے۔اس حد تک سختی لازم ہے جس حد تک جس پر سختی کی جائے یعنی اپنا پیارا وہ اس سختی کا محتاج ہے اور اس کے بغیر وہ فوائد سے محروم رہ جائے۔پس محبت میں جہاں سختی ہٹائی جا سکتی ہو، ترک کی جا سکتی ہو، محبت کرنے والا کبھی سختی میں نہیں ڈالے گا۔جہاں سختی لازمہ ہے اس سے گزرے بغیر اپنے محبوب کی بھلائی ممکن نہیں ہے اس حد تک

اور صرف اس حد تک سختی ایک پیار کرنے والے سے اپنے پیارے کے اوپر ڈالی جاتی ہے اور یہی عبادتوں کا سارا مفہوم ہے۔ جہاں سختیاں ہیں وہاں اس کے بدلے ضرور آسانیاں مقدر ہیں۔ ورنہ کبھی بھی خدا تعالیٰ انسان پر سختی نہ ڈالتا۔ چنانچہ فرمایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: 7،6) دیکھو عبادت کے مضمون میں یہ بات ہو رہی ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (الم نشرح: 9،8)۔

تو عبادت کے تعلق ہی میں یہ بات ہو رہی ہے رمضان کی۔ فرمایا دیکھو جو سختی بھی ہم ڈالتے ہیں ایک یہ معنی بھی ہے اس آیت کا لازماً اس کے بعد آسانی آتی ہے اور آسانی کی خاطر سختی ڈالی جا رہی ہے، سختی کی خاطر سختی نہیں ڈالی جا رہی۔ پس قرآن کریم کی تمام آیات مسلسل اسی مضمون پر روشنی ڈالتی چلی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سختی کو پسند نہیں کرتا، نہ سختی کی خاطر کسی کو سختی میں مبتلا فرماتا ہے ہاں بعض فوائد ایسے ہیں جو سختی میں سے گزرنے کے بعد آخر پر رکھے گئے ہیں۔ اب زمیندار ہے جو محنت کرتا ہے تو اس کو چھ مہینے یا سال کے بعد آنے والی فصل دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ اس کی خاطر وہ خود اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے۔ کوئی شخص اپنا دشمن نہیں ہوا کرتا سوائے اس کے کہ پاگل ہو۔ تو وہاں اس کو دکھائی دے رہا ہے کہ یہ سختی ہی مجھے مناسب ہے، یہی مجھے راس آئے گی اور جہاں ہمیں دکھائی نہیں دے رہا ہوتا وہاں اللہ کو دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ پس خدا کی وسیع نظر کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ جو اللہ چاہے جس حد تک سختی ڈالے اسی حد تک قبول کریں اس سے آگے بڑھ کر زبردستی سے آپ خدا کو راضی نہیں کر سکتے۔

چنانچہ اس مضمون پر آنحضرت ﷺ نے عبادتوں کے تعلق میں ہی ایک موقع پر بڑے جلال سے فرمایا کہ دیکھو تم اپنے اوپر سختیاں کر کر کے خدا پر غالب نہیں آسکتے۔ ناممکن ہے کہ تم زبردستی خدا کو خوش کر سکو ہاں تم ٹوٹ جاؤ گے اور خدا کی تقدیر تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی۔ پس سختیاں خدا کی طرف سے بھی سختی کی خاطر نہیں ڈالی جاتیں اور انسان کو بھی زبردستی خدا کو خوش کرنے کی توفیق نہیں ہے۔ ایسا کرنے کی کوشش کرے گا تو خود مارا جائے گا۔ اس لئے اس مضمون کو سمجھتے ہوئے اس رمضان میں داخل ہوں تا کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ کا یہ مضمون بھی روشن ہو کہ یہ رمضان ہمارے لئے بہت سی آسانیاں لے کر آئے جو پہلے نہیں تھیں۔ ان آسانیوں میں

سے عبادت کا سہولت کے ساتھ اور ہلکے مزاج کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ بہت سے ایسے احمدی بڑے اور چھوٹے ہیں جو مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہمارے لئے عبادت بڑی مشکل ہے اور ہم خطبے سنتے ہیں، سمجھتے بھی ہیں، دل بھی چاہتا ہے مگر کیا کریں کہ دل کے اوپر وہ جو بوجھ سا رہتا ہے زبردستی عبادت کرنے کا وہ اترتا نہیں۔ رمضان کا ایک ایسا موقع ہے جس میں یہ بوجھ اتارنا آسان ہو جاتا ہے۔

رمضان میں عبادت کی جو ورزش کی جاتی ہے اس کے بعد نسبتاً زیادہ طاقت ور اور ہلکے محسوس ہونے والے بدن کے ساتھ انسان رمضان میں سے نکلتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا کی خاطر خدا کی عبادتوں کی توفیق مانگنے کے لئے سب سے عظیم مہینہ رمضان کا مہینہ ہے کیونکہ اس مہینے کے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اگر تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دے کہ میں قریب ہوں اور بہت سے عارف باللہ ہیں جنہوں نے اس مضمون کو اسی معنی میں سمجھا کہ میں قریب ہوں خصوصیت سے رمضان میں۔ رمضان کی بات ہو رہی تھی تو کہو میں دور کہاں ہوں، اب تو میں بہت قریب اتر آیا ہوں اور آنحضرت ﷺ نے بہت سی احادیث میں بالکل یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ جیسا قریب رمضان میں خدا آتا ہے ویسا قریب نہیں آتا تو سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے بلاتا ہے۔ ایک شرط ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ میری باتیں بھی تو مانا کریں۔ یک طرفہ تو نہیں کہ مصیبت میں پڑ گئے، پیٹ میں درد ہو رہی ہے، کینسر ہو گیا، کوئی رشتہ ٹوٹ رہا ہے، کوئی قرضوں میں مبتلا ہو گئے تو دوڑے دوڑے اس خدا کی طرف گئے جس کا عام حالات میں رستہ ہی نہیں آتا تھا۔ اس کے قریب نہیں ہے اللہ۔ اس کے قریب ہے جو ہمہ وقت قریب رکھتا ہے اور اگر عام حالات میں نہیں رکھتا تو رمضان میں تو اس نے نمازیں شروع کر دی ہیں نا۔ اب دیکھیں کتنے لوگوں کے واقعۃً خدا قریب آ گیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سارا سال سوائے جمعہ کے کوئی نماز نہیں پڑھتے یا جمعہ بھی نہیں پڑھا کرتے تھے، رمضان میں یا جمعہ شروع کر دیتے ہیں یا باقی نمازیں بھی شروع کر دیتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کا یہ اعلان رمضان کے تعلق میں کتنا مناسب حال ہے کہ تم میں سے بہت سے تھے جن سے میں دور تھا یعنی تم نے مجھے دور رکھا ہوا تھا۔ رمضان میں میں ان کے بھی قریب آ جاؤں گا۔ پس رمضان میں مجھ سے دعائیں کرو، مجھ

سے مدد مانگو تو تمہاری مشکل آسانی میں تبدیل ہو جائے گی اور عبادت کی مشکل بھی تمہارے لئے آسان ہو جائے گی۔ اس رمضان سے گزر کے باقی سال کی عبادتیں پھر بڑے ہلکے انداز کے ساتھ تم کر سکو گے۔ تو دعا کریں میں بھی دعا کرتا ہوں اللہ کرے ہم سب کے لئے یہ رمضان وہ تمام برکتیں لے کے آئے جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے اور واقعۃً ہم خدا کو اس طرح قریب دیکھ لیں کہ ہم دعا کریں اور وہ ہماری دعاؤں کا جواب دے اور یہ تبھی ممکن ہو گا اگر ہم ہمہ وقت اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہیں، اپنی روح کے ساتھ بھی، اپنے بدن کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، اپنے اموال کے ساتھ بھی۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق بخشے۔ آمین